JIBAS (The International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences) (Quarterly) Trilingual (Arabic, English, Urdu)
ISSN: APPLIED FOR (P) & (E)
Home Page: http://jibas.org
Approved by HEC in Y Category
Indexing IRI (AIOU), Australian Islamic Library, Euro pub.
PUBLISHER HABIBIA RESEARCH ACADEMY
Project of **JAMIA HABIBIA INTERNATIONAL,** Reg. No: KAR No. 2287 Societies Registration Act XXI of 1860 Govt. of Sindh, Pakistan.
Website: www.habibia.edu.pk,
This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

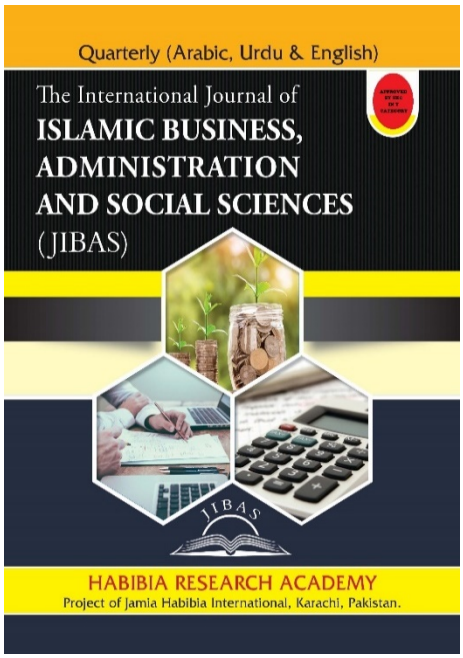

TOPIC:

A COMPARATIVE STUDY OF THE CONCEPT OF NIKAH IN JUDAISM, CHRISTIANITY & ISLAM

یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں تصورِ نکاح کا تقابلی جائزہ

AUTHORS:

1. *Dr.Hafiza Maria Hassan Padhia Lecturer Govt. Degree Girls College 11, North Karachi , Email ID: mariahassan.2.4@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-5440-9176*
2. *Dr. Najmul Sahar Ilyas, Assistant Professor, Bahria University Health Sciences Campus Karachi, Email ID: najmussahar2010@gmail.com Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-7719-4323*
3. *Dr. Muhammad Hamza, Assistant Professor University of Makran Panjgur Balochistan, Email ID : Muhammad.hamza@uot.edu.pk, Orcid ID: https://orcid.org/0000-0001-5715-5941*

How to Cite: *Padhia, Hafiza Maria Hassan, Najmul Sahar Ilyas, and Muhammad Hamza. 2022. "A COMPARATIVE STUDY OF THE CONCEPT OF NIKAH IN JUDAISM, CHRISTIANITY &Amp; ISLAM: یہو دیت، مسیحیت اور اسلام میں تصورِ نکاح کا تقابلی جائزہ". International Journal of Islamic Business, Administration and Social Sciences (JIBAS) 2 (3):01-26.*
URL: http://www.jibas.org/index.php/jibas/article/view/82.
Vol. 2, No.3 || July –September 2022 || P. 01-26
Published online: 2022-09-30

QR. Code

A COMPARATIVE STUDY OF THE CONCEPT OF NIKAH IN JUDAISM, CHRISTIANITY, AND ISLAM

یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں تصورِ نکاح کا تقابلی جائزہ

Hafiza Maria Hassan Padhia, Najmul Sahar Ilyas, Muhammad Hamza,

ABSTRACT:

There are numerous relations in the society that connect a human being to other human beings, but the most basic and smallest group of them is the family. It is made up of parents, children and close relatives in which there is a matter of mutual trust and service. It is the first group of the society with which the individual is connected and his thoughts and character are formed from there. Therefore, the family is the basic institution that has more influence than all other institutions. Family comes into existence after marriage. In view of the same importance of marriage and family life, after introducing and explaining the importance of family in the article under consideration, the concept of marriage in Judaism, Christianity, and Islam and its related orders will be discussed and then social reform, welfare and peace, and tranquility will also be expounded. Therefore, a comparative review of marital laws will be presented through the religious books of the above-mentioned religions which have been revealed regarding marriage.

.***Keywords*****:** *Relations, Mutual trust, Basic institution, Religion, Reform, Marital laws, Marriage*

معاشرہ میں بے شمار روابط ہیں جو ایک انسان کو دوسرے انسانوں سے جوڑے ہوئے ہیں مگر ان میں سب سے بنیادی اور چھوٹی جماعت خاندان ہے۔ یہ والدین اولاد اور قریبی اعزہ سے مل کر بنتی ہے جن میں باہمی اعتماد اور خدمت گزاری کا معاملہ رہتا ہے۔ یہ معاشرہ کا اولین گروہ ہے جس سے فرد کا واسطہ پڑتا ہے اور اس کے خیالات و کردار کی تشکیل وہیں سے ہوتی ہے۔ لہذا خاندان وہ بنیادی ادارہ ہے جس کا اثر دیگر تمام اداروں سے زیادہ ہے۔ خاندان نکاح کے بعد وجود میں آتا ہے۔ نکاح اور خاندانی زندگی کی اسی اہمیت کے پیش نظر زیر نظر مقالہ میں خاندان کا تعارف اور اہمیت بیان کرنے کے بعد یہودیت، مسیحیت اور اسلام میں تصور نکاح اور اسکے متعلق احکامات زیر بحث لائے جائیں گے۔ اور پھر معاشرتی اصلاح، فلاح اور امن و سکون کے لئے نکاح کے متعلق جو الہامی قوانین عطا ہوئے ہیں ان مذاہب کی دینی کتب کے ذریعے ان قوانین کا تجزیاتی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

خاندان: یہ انسانی معاشرت کا اولین اور بنیادی ادارہ ہے جس کی ابتداء مرد اور عورت کے باہمی رفاقت سے ہوتی ہے۔ ماہرین عمرانیات اس بات پر متفق ہیں کہ جب سے انسان زمین پر آباد ہوا ہے اس نے خاندان کو جنم دیا اور ان کے ساتھ مل جل کر رہنا سیکھا۔ ماہرین عمرانیات نے خاندان کی مختلف تعریفات پیش کی ہیں۔ لغت میں ہے کہ: "خاندان سے مراد میاں بیوی اور چند بچوں پر مشتمل وہ ادارہ ہے جس کے ارکان میں گہری جذباتی وابستگی پائی جاتی ہے"[1]

خاندان چونکہ ایک ادارہ ہے۔ لہذا ماہرین نے اس کی تعریف مختلف زاویوں سے پیش کی ہے۔ بعض ماہرین نے اس ادارے کے بنیادی ڈھانچے بیان کئے ہیں جیسے بوگارڈس (Bogardus) کہتا ہے۔ "خاندان ایک چھوٹا سماجی گروہ ہے جو عام طور پر ایک ماں یا ایک باپ اور ان کے بچوں پر مشتمل ہو"[2]

امریکن Census Bureau نے 1990 میں خاندان کی تعریف ان الفاظ میں دی تھی:

"A house holder and one or more other persons living in the same house hold who are related to the householder by birth, marriage or adoption"[3]

"یعنی خاندان کا ادارہ ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جن کے درمیان خونی، ازدواجی یا متبنی کا رشتہ موجود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان میں وابستگی پائی جاتی ہے اور وہ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر ہوں۔"

بعض ماہرین نے خاندان کے بنیادی ڈھانچہ کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس کے وظائف کو بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک۔

"A family is any unit in which there exist: Sharing of resources and economic property. A caring and supportive relationship. Commitment to or identification with other family members. Pre paration of children born to or raised by the members to become adult members of society." [4]

"خاندان وہ بنیادی ادارہ ہے جو کہ درج ذیل وظائف کی انجام دہی پر مامور ہے۔

۱۔ وسائل اور اقتصادی جائیداد میں شراکت۔

۲۔ خیر خواہی اور باہمی تعاون پر مبنی تعلق۔

۳۔ خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ مضبوط عزم اور عہد وپیمان کے ساتھ جڑے رہنا۔

۴۔ بچوں کی پرورش، تربیت اور نگہداشت تاکہ وہ معاشرہ کے کار آمد فرد بن سکیں۔"

خاندان کی اس تعریف میں اس کے ڈھانچہ کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ افراد جن کا باہم خونی یا ازدواجی تعلق تو ہے مگر کسی قسم کا مالی تعاون موجود نہیں ہے خاندان کے دائرہ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یہ ایک ایسا وسیع المعانی لفظ ہے جس کی ایک عالمگیر تعریف پیش نہیں کی جاسکتی۔ لہذا حالات وواقعات اور ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف تعریفات کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ البتہ مقالہ نگار کی رائے کے مطابق برگیس اور لاک کی تعریف کو جامع تعریف کہا جاسکتا ہے جس میں بنیادی ڈھانچہ کے ساتھ مقصدیت کو بھی اجاگر کیا ہے۔

"ایسے افراد کا گروہ جو کہ شادی، خون یا تبنیت کے رشتہ میں منسلک ہونے کی بناء پر ایک کنبہ کی صورت اختیار کرتے ہوں اور شوہر اور بیوی، ماں اور باپ، بیٹا اور بیٹی، بھائی اور بہن کی حیثیت میں ایک دوسرے سے رابطہ اور تعلق رکھتے ہوں اور ایک مشترکہ ثقافت کو جنم دیتے ہوں۔"[5]

مندرجہ بالا تعریفات سے یہ ظاہر ہورہا ہے کہ خاندان صرف مرد وعورت کے باہمی تعلقات کا نام نہیں بلکہ ایک تنظیم ہے جس کی عدم موجودگی میں معاشرہ کی تشکیل ناممکن ہے۔

خاندان کی ضرورت واہمیت: عمرانیات میں خاندان ایک مستقل ادارے کی حیثیت رکھتا ہے جس کو دیگر تمام اداروں پر فوقیت حاصل ہے۔ یہ ادارہ نہ صرف نسل انسانی کی افزائش اور بقاء کا ذمہ دار ہے بلکہ بچوں کی نگہداشت، تعلیم وتربیت، تحفظ اور ضروریات زندگی کی فراہمی بھی کرتا ہے یہ وہ ادارہ ہے جس کی ضرورت صرف بچپن میں نہیں ہوتی بلکہ عمر کے ہر حصے میں فرد کو خاندان کی ضرورت ہوتی ہے۔ خاندان ہی

سے فرد کو بنیادی خیالات، طرز عمل، رجحانات اور کردار کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ یہی وہ پہلا منظم ادارہ ہے جو فرد میں اخوت، مروت، اتفاق اور اجتماعیت کی صلاحیت پروان چڑھاتا ہے۔ خاندان کی اسی ضرورت واہمیت کے پیش نظر تمام علوم عمرانیات اس بات پر متفق ہیں کہ انسان جب سے دنیا میں آباد ہوا ہے اس نے سب سے پہلے خاندان کو جنم دیا ہے۔ مختلف قبائل اور قوموں میں خاندان کے لزوم کے ساتھ ساتھ اس کے وجود میں لانے والے اسباب سے متعلق مختلف نظریات ہیں۔ مگر اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ "خاندان کو وجود میں لانے کی ابتدائی صورت جذبہ شہوت اور جذبہ کفالت ہے۔ مرد عورت سے جنسی تعلق قائم کرکے اس بات کی ضمانت مہیا کرتا ہے کہ وہ عورت کی معاشی اور جنسی کفالت کرے گا اور اس کے بطن سے جو اولاد پیدا ہوگی اس کی بھی حفاظت کرتے ہوئے عورت اور اس کی اولاد کے لئے وہ امین اور محافظ بن جائے گا۔ اگر معاشی کفالت کے ساتھ ساتھ عورت اپنی نزاکت اور کمزوری کی وجہ سے خطرات اور مضرات کی وجہ سے حفاظت کی طلب گار ہے تو اس معاملے میں بھی مرد اس کا محافظ اور مددگار بن جاتا ہے یہ صورتیں معاشرہ کو وجود میں لانے کی ابتدائی صورتیں ہیں۔ اس طرح مرد و عورت کے تعلق کی حیثیت معاہدے کی سی ہو جاتی ہے۔ اس معاہدہ کو وجود میں لانے کی صورت مناکحت ہے"[6]

نوع انسانی کی بقاء اسی بات میں مضمر ہے کہ مرد و عورت ایک پائیدار عہد وفا سے جڑے ہوں۔ اسی سے ہی تمدن کی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے۔ ایک انسان کا بچہ اپنے ابتدائی ایام سے لے کر کئی برس تک نگہداشت اور تربیت کا محتاج ہوتا ہے اور تنہا مرد یا عورت اس کا بار نہیں اٹھا سکتے جب تک کہ یہ ایک دوسرے کے مددگار نہ ہوں۔ خاندان کا وظیفہ صرف افزائش نسل ہی نہیں بلکہ فرد کی سماجی تربیت بھی ہے۔ یعنی مستحکم خاندان ہی وہ بنیاد ہے جہاں بچہ تربیت حاصل کرتا ہے ماں باپ اور بہن بھائیوں کی معیت میں سکون حاصل کرتا ہے۔ اس کا پہلا اور آخری سہارا اس کے والدین ہوتے ہیں اور اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا سہارا بنتا ہے۔ یہ ایک مسلسل ارتقائی عمل ہے جہاں ہر فرد دوسرے کے لئے سہارا بن جاتا ہے۔

خاندان معاشرہ کی وہ بنیادی اکائی ہے جس پر مستحکم معاشرہ کی بنیاد ہے۔ تاریخ انسانی شاہد ہے کہ تمدن اور تہذیبوں کے زوال کا باعث خاندانی عدم استحکام اور انتشار ہے۔ عصر حاضر کے متمدن معاشروں کے انتشار کی وجہ بھی خاندانی نظام کی بربادی و تباہی ہے جو انسان کو ہلاکت کی طرف لے کر جارہی ہے۔ جدید امریکی مصنف ولیم ایف اگبرن (Williom F.Ogburn) نے اپنے مضمون میں اس تشویش کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ خاندان ایک معاشرتی ادارے کے لحاظ سے زوال پذیر ہے۔ یہ نتیجہ ہے مسلسل اور کثیر تحقیقات کا رہم میں سے بہت سے لوگ اندازہ نہیں کرسکتے کہ خاندان روبہ زوال ہے یا اس میں کوئی تبدیلی ہو رہی ہے کیونکہ ہم خاندان سے متعلق اسی طرح سوچنے کے عادی ہیں جیسے ہم پتھر کے زمانے کے متعلق سوچتے ہیں۔ پھر کچھ حصہ ایسا بھی ہے جو فطرت اور ساخت اشیاء میں لازمی طور پر غیر

متبدل رہتا ہے۔ جیسے معاشرے کی بنیاد، ورنہ بذات خود تہذیب کا وجود نہ ہوتا۔ اور پھر جب دن بدن معمولی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو ہم انہیں محسوس نہیں کرتے یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب ہم طویل غیر حاضری کے بعد لوٹیں تو اس وقوع پذیر عظیم تبدیلی کو ان لوگوں سے زیادہ بہتر دیکھ سکیں گے جو کہیں دور نہیں گئے۔"[7]

مندرجہ بالا حوالہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ مادی ترقی متمدن معاشرہ کی بنیاد نہیں بلکہ خاندانی استحکام ہی اچھے معاشرہ کے لئے ناگزیر ہے۔ معاشرہ صرف افراد کے مجموعے اور ہجوم کا نام نہیں بلکہ پختہ مزاج صحیح التربیت افراد کی بنیاد ہی میں معاشرہ کی سلامتی مضمر ہے۔

کتب سماوی کا مختصر تعارف: اللہ تعالیٰ نے انسان کو جب اس سرزمین پر آباد کیا تو اس کی فطری تقاضے اور ضروریات کا سامان بھی مہیا کیا۔ جسمانی ضرورت کی تکمیل کے لئے اسے حسیات اور عقل و شعور سے نوازا گیا اور روحانی تقاضوں کی تکمیل وحی الہیٰ سے کی جس کے لئے دو ذرائع اختیار کئے گئے۔

۱۔ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام ۲۔ کتاب

فکر انسانی کی تطہیر اور اس کی روحانی اور اخلاقی نشو و نما کے لئے ہر قوم اور ہر دور میں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا"[8] "اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا"

تمام انبیاء علیہم السلام ایک ہی روحانی چشمے سے سیر اب ہو کر ایک ہی دین لاتے رہے۔ ہر دور میں جتنی کتابیں مختلف خطوں اور قوموں میں آئیں وہ سب اسی صداقت، ہدایت اور نور کو لے کر آئیں جس کا نام اسلام ہے جو نوع انسانی کی اصلاح کی ایک عالمگیر راہ تھی۔ فرمان الہیٰ ہے:

"شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ"[9]

"ہم نے اے رسول تمہیں وہی دین دیا ہے جو تم سے پہلے حضرت ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا گیا تھا۔ اس دین کو تھام کر متحد ہو جاؤ اور اختلاف سے بچو۔"

لہذا خیر و شر کا مکمل دستور عمل انبیاء علیہم السلام کی وساطت سے ہر دور میں نازل ہوتا رہا جس میں نہ صرف عقائد اور عبادات کی تعلیم تھی بلکہ انفرادی اور اجتماعی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے معاشرتی قوانین عطا ہوئے جن کی تعلیمات جزوی فرق کو چھوڑ کر یکساں تھیں۔ مگر انسان انکی حفاظت نہ کر سکا۔ یہی وجہ سے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارباب اختیار انسانوں نے الہامی نزول کے اندر اپنے نظریات کو جنم دیا جو کہ بہ ظاہر الہامی قوانین کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوتے ہیں مگر در حقیقت وہ قوانین نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قوانین معاشرہ میں مطلوبہ اخلاقی و روحانی اقدار نافذ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ لہذا ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو تعلیمات کا امیاء اور قوم کی اصلاح کرے۔

قرآن مجید کی شکل میں نبی اعظم ﷺ کو وہ معجزہ عطا ہوا جس کی حفاظت کی ذامہ داری رب تعالی نے خود لی اور جو رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ لہذا اس اعتبار سے آپ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے تھے بلکہ پرانی تعلیمات کا اعادہ اور تکرار ہے جو کہ دنیا سے

مٹ چکی تھی اسی کو اسلام نے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے اس کی تکمیل کی اور اس کی پشت پر ایسی قوت جمع کر دی جو اس میں تحریر و تبدیلی کی ہر کوشش کو ناممکن بنا دے۔ اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے۔

"الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا"[10]

"آج میں نے تمھارے لئے تمھارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمھارے لئے دین اسلام کو پسند کر لیا۔"

آج دنیا میں جتنے مذاہب موجود ہیں ان میں سے تین الہامی ہونے کے دعویدار ہیں یعنی ان کے داعی خدا کے پیغمبر تھے اور انکی تعلیمات الہامی ہیں۔ جن صحف سماوی کو منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے وہ اس قول میں کس حد تک صادق ہیں؟ آیا اس کی تعلیمات اس کے منزل من اللہ ہونے کی تائید کرتی ہیں یا انسانی کلام کی آمیزش کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ لہذا ان کتب کی تعلیمات کا تقابل سے پہلے ان کا مختصر سا تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ا۔ بائبل:- لفظ بائبل یونانی زبان کے لفظ "بلیا" (Biblia) سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے "کتب"[11]، جو علماء نصاریٰ کے نزدیک ان صحائف کا مجموعہ ہے۔ جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں۔ یہ مجموعہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔

۱) عہد نامہ عتیق ۲) عہد نامہ جدید

عہد نامہ عتیق میں توریت اور وہ دیگر کتب شامل ہیں جو قبل مسیح انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوئیں جبکہ عہد نامہ جدید میں اناجیل اربعہ اور ان کے ساتھ حوارین کے اعمال، خطوط اور مکاشفات شامل ہیں۔

عہد نامہ عتیق: عہد نامہ عتیق کئی مختلف قسم کی بہت سی کتب کا مجموعہ ہے جو تقریباً ایک ہزار سال کے عرصے کے دوران بہت سے مختلف مصنفین نے تحریر کیں۔ علماء مسیحی کے نزدیک پرانے عہد نامے میں شامل بہت سی کتب اپنی ابتدائی شکل میں زبانی حکایات پر مبنی تھیں جو نسل در نسل آگے منتقل ہوتی رہیں جنھیں بالآخر تحریر کر کے یکجا صورت میں اکھٹا کیا گیا[12]

عہد نامہ عتیق کے دو نسخے ہیں۔ ایک عبرانی زبان میں "مسورہ" (یعنی روایتی نسخہ) کہلاتا ہے اور دوسرا یونانی نسخہ "سبعینہ" (سٹیپیو ایجنٹ) کہتے ہیں۔ یہودی لوگ عبرانی نسخہ کو مستند تسلیم کرتے ہیں اور عیسائی یونانی نسخہ کو مانتے ہیں اصل یونانی نسخہ میں ۹۱ کتابیں مسورہ سے زائد ہیں جو رومی اور یونانی کلسیاں میں پڑھی جاتی ہیں مگر پروٹسٹنٹ نے انہیں بائبل سے خارج کر دیا ہے۔ عبرانی نسخہ (مسورہ) تین حصوں پر مشتمل ہے۔

ا۔ تورات ۲۔ نبیم ۳۔ کتبیم

ان میں نبیم اور کتبیم کی کتب کی ترتیب یونانی اور عبرانی نسخوں میں مختلف ہے۔ عہد نامہ عتیق ۹۳ کتب کا مجموعہ ہے۔[13]

ا۔ تورات بائبل کی پہلی پانچ کتب کے مجموعے کو "تورات" یا اسفار خمسہ کہتے ہیں یعنی پیدائش۔ خروج۔ احبار۔ گنتی۔ استثناً

۲۔ پرانے انبیاء کی کتب۔ اس حصے میں چھ کتب شامل ہیں۔ یعنی شیوع۔ قاصیوں۔ ایک سموئیل۔ دو سموئل۔ ایک سلاطین اور دو سلاطین

۳۔ متبرک تحریرات:-اس میں تیرہ کتب ہیں: روتھ، ایک تواریخ، دو تواریخ، عزرا، تحمیاہ، استہ، ایوب، زبور، امثال، سلیمان کی کتاب، غزلیات سلیمان، نوحہ یرمیاں اور دانیال۔

۴۔ بعد کے انبیاء کی کتب۔ یہ تین ہیں: یسعیاہ۔ ہر میاہ اور حزقیل کی کتب

۵۔ چھوٹے انبیاء کی کتب: اس فہرست میں بارہ کتب ہیں ہوسیاہ، جولم آموس، عہدیا یونس، میکاہ، نحوم، حبقوق، صفیہ، ہگائی، زکریا، اور ملاکی کتاب، پس عہد نامہ عتیق کی مسلمہ ۹۳، کتب ہیں۔

۲۔ عہد نامہ جدید: عہد نامہ جدید بائبل کا دوسرا حصہ ہے جو ستائیس (۲۷) کتب پر مشتمل ہے اور یہ خدا کے لوگوں کا وہی بیان ہے جو پرانے عہد نامے میں شروع ہوا تھا۔ یہود صرف عہد نامہ عتیق کو خدا کا کلام مانتے ہیں مگر مسیحیوں کے نزدیک عہد نامہ قدیم اس عہد کا بیان کرتا ہے جو خدا نے بنی اسرائیل کے ساتھ کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی فرمانبرداری کرتے اور شریعت کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ خدا کے لوگ تھے لیکن نیا عہد نامہ خدا کے ساتھ باطنی تعلق پر مبنی ہے جس کی بنیاد تحریری شریعت نہیں بلکہ خدا کی روح ہے جو نئی زندگی بخشتا ہے۔"[14]

بائبل کے حصہ جدید یعنی کتب عہد جدید کی موجودہ فہرست میں ستائیس ۲۷ کتب کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اناجیل: تمام عیسائیوں کے نزدیک جو سب سے زیادہ معتبہ اور من پر موجودہ عیسائیت کی بنیاد ہے ان میں سب سے مقدم انجلیس ہیں۔ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کے بارے میں دوسرے انجیل بھی لکھی گئیں ہیں مگر جنہیں کلیسا نے معتبر مان کر مسلمہ قرار دیا وہ چار اناجیل متی۔ یوحنا۔ مرقس اور لوقا ہیں۔ "یہ چاروں اناجیل ہی یسوع کی زندگی سے متعلق ہیں اور انکی تعلیمات بیان کرتی ہیں مگر ہر انجیل کے بیان کے تناظر میں فرق ہے"۔[15] چاروں اناجیل کے علاوہ درج ذیل کتب پر مشتمل ہے۔

(۵) رسولوں کے اعمال (۶) یولس رسول کا خط کرومیوں کو (۷) یولس رسول پہلا خط کرنتھیوں کو (۸) یولس رسول کا دوسرا خط کرنتھیوں کو (۹) یولس رسول کا خط گلیتوں کا (۱۰) یولس رسول کا خط افسیوں کو (۱۱) یولس رسول کا خط فلیبوں کو (۱۲) یولس رسول کا خط قلسیوں کو (۱۳) یولس رسول کا نظر تھسلینا کیوں کو (۱۴) یولس رسول کا دوسرا خط تھسلینکیوں کو (۱۵) یولس رسول کا پہلا خط تمطاؤس کو (۱۶) یولس رسول کا دوسرا خط تمطاؤس کو (۱۷) یولس رسول کا خط ططس کو (۱۸) یولس رسول کا خط فلیموں کو (۱۹) عبرانیوں کو خط (۲۰) یعقوب کا خط (۲۱) پطرس کا پہلا خط (۲۲) پطرس کا دوسرا خط سے یو منافقیہہ کے تین خطوط و مکاشکات اور یہوداہ کا ایک خط۔

اس منتخب مجموعہ کو پوپ گلاسیوس (۲۹۴ء لغایت ۶۹۴ء) نے باضابطہ طور پر سند قبول عطا کی اور یہی مجموعہ آج تک عیسائیوں میں مروج ہے۔[16]

القرآن: کتب سماوی کے نزول کے تسلسل کی آخری کڑی قرآن مجید ہے اس کتاب کا نام "القرآن "خود وصی الٰہی میں تکرار کے ساتھ آیا ہے کم از کم ۱۶ مقامات پر اس کتاب کو اسی نام کے ساتھ یاد کیا گیا ہے۔[17] قرآن یا تو قرء سے مشتق ہے یا قراءۃ سے یا قرن سے قرن کے معنی جمع کرنا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کو قرآن سے اس لئے کہا گیا کہ یہ اوّلین و آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ اگر یہ قراءۃ سے مشتق ہو

تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب۔[18] چنانچہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قرآن کریم ساری دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔ بہر کیف قرآن کریم کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول الینا نقلا متواتر بلاشبھۃ "[19]

"اللہ تعالی کا وہ کلام جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا، مصاحف میں لکھا گیا اور آپ ﷺ سے بغیر کسی شبہ کے تواتر سے منقول ہے۔"

مسلمانوں کا مسلم عقیدہ ہے کہ قرآن کریم لفظاً اور معناً کلام الہی ہے جس کے الفاظ اور مضامین دونوں اللہ کی جانب سے نازل ہوئے اور ان کے انتخاب اور ترکیب میں نبی کریم ﷺ کا کوئی دخل نہیں اور یہ آج تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔

آسمانی کتب میں خاندانی زندگی کی تعلیمات: دنیا میں رہتے ہوئے انسان کو مختلف نظام کی ضرورت ہے جیسے معاشرتی، معاشی، سیاسی، تعلیمی، خاندانی نظام وغیرہ یہ تمام نظام ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اگر ایک نظام بھی متاثر ہو گا تو پوری زندگی متاثر ہو سکتی ہے انسان نے ازل سے ہی اپنے کھانے پینے، لباس، نکاح، خرید و فروخت، سیاست، تعلیم، تعزیرات، جرائم اور دیگر معاملات کے لئے آداب اور طریقے بتائے ہیں تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسان نے خدائی رہنمائی سے الگ ہو کر اصول وضوابط اور آداب مقرر کئے وہ اکثر ظلم پر مبنی تھے لہذا دین الہیٰ کا اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ لوگوں نے جو غیر ضروری بوجھ لادے ہیں انہیں ختم کرے اور ان کے سامنے ایسے انداز میں حق پیش کیا جائے کہ جن کی عقل انکار نہ کر سکے تاکہ وہ اس کی صداقت اور حقانیت پر مطمئن ہو جائیں اسی وجہ سے جو طریقے اور آداب کلی طور پر معاشرہ کے حق میں ہوں دین الہیٰ نے انہیں برقرار رکھا اور اگر وہ مصلحت معاشرہ کے خلاف ہیں تو ان کا مکمل قلع قمع کر دیا گیا۔ انسانی معاشرہ تغیر پذیر ہے تہذیب جداگانہ ہیں لیکن فطرت انسانی ازل سے ایک ہی محبت، نفرت، بغض، حسد، صدق و کذب، خلوص و منافقت کسی بھی چیز میں فرق نہیں آیا۔ لہذا ازل سے ہی اسے ایک مکمل ہدایت نامے کی ضرورت تھی جو کہ زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکے فکر انسانی کی تطہیر کے لئے ازل سے ہی انبیاء علیہم السلام مکمل دستور عمل لے کر آتے رہے مگر شیطانی وار کے اثر میں انسان نے الہامی تعلیمات میں خود ساخت نظریات شامل کئے۔ قرآن کریم جو اس سلسلے ہدایت کی آخری کڑی ہے جہاں وہ بار بار اس بات کو دہراتی ہے کہ کتب سابقہ میں تحریفات انسانی کی آمیزش ہو چکی ہے وہیں وہ قرآن کو پچھلی کتب کے لئے مصدق قرار دیتی ہے۔

"مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ"[20] "گزشتہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا"

یعنی وہ بار بار یہ تصدیق کر رہا ہے کہ ان سب کی بنیادی اساس روح اور جوہر اس کتاب الہیٰ میں موجود ہے اور ان کتب پر ایمان ارکان ایمان میں سے ہے۔ جب ہم کتب سابقہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ نہ صرف قرآن کریم بلکہ کتب سابقہ میں بھی خاندانی نظام کو اہمیت دی گئی اور اس کو معاشرہ کی بنیادی اساس قرار دیا گیا ہے۔ عہد نامہ قدیم اور جدید دونوں ہی خدا کے قوانین کو بیان کرتے ہیں مگر عہد نامہ جدید دراصل الہیٰ قوانین کا احیاء اور تکرار ہے جس میں مرکزی نکتہ خدا کے ساتھ باطنی تعلق قائم کرنا اور اعمال کی روح کو سمجھنا ہے۔ لہذا

خاندان سے متعلق عیسائی اور یہودی نکتہ نظر مجموعی طور پر بیان کئے جانے لگے ماسوائے چند مقامات کے جہاں نکتہ نظر میں اختلاف ہو وہاں دونوں کے نظریات پیش کئے جائیں گے اور پھر قرآنی تعلیمات پیش کی جائے گی۔

تخلیق کی ابتداء: بائبل کی تعلیمات اس بات کی عکاسی کرتی ہے کہ خاندان خدا کے نزدیک کس قدر اہم ہے۔ تورات کی ابتداء ہی کتاب پیدائش سے ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک تخلیق کائنات کے چھٹے دن آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ تخلیق کے بعد انہیں جنت میں ٹھکانہ عطا ہوا۔ لیکن خدا کی طرف سے فیصلہ ہوا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں لہذا ان کے لئے ایک مدد گار کی ضرورت ہے۔ "اور خداوند نے کہا کہ آدم کا اکیلا رہنا اچھا نہیں میں اس کے لئے ایک مدد گار اس کی مانند بناؤں گا"[21]

بائبل کے مطابق اس مدد گار کی تخلیق باقی جانداروں کی طرح مٹی سے نہیں ہوتی بلکہ آدم کے جسم سے ہی کی گئی اور ان کی پسلی سے عورت کو پیدا کیا گیا ہے

"اور خداوند آدم پر گہری نیند بھیجی اور وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک کو نکال لیا اور اس کی جگہ گوشت بھر دیا اور خداوند خدا اس پسلی سے جو اس نے آدم میں سے نکالی تھی ایک عورت بنا کر اسے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا یہ تو اب میری ہڈیوں میں سے ایک ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس لئے وہ ناری کہلائے گی کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے"[22]

تورات کی رو سے عورت مرد کے گوشت سے بنی ہے جسے خدا نے خود آدم علیہ السلام کے لئے پیش کیا لہذا ان کے نزدیک شادی خدا کی مرتب اور تجویز کردہ عمل ہے جس کا مقصد افزائش نسل ہے۔ "اس واسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑے گا اور انہی بیوی سے ملا رہیگا اور وہ ایک تن ہونگے"۔[23]

یہودی عقیدہ کے مطابق جس طرح آدم و حوا کی شادی خود اللہ نے کروائی تھی اسی طرح ہر مرد و عورت کی شادی جنت میں پہلے سے طے ہوتی ہے۔ "بچے کی تخلیق سے چار دن پہلے ایک جنتی صدا آتی ہے کہ فلاں لڑکی کی فلاں لڑکے سے شادی انجام پائے گی"[24]

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں کائنات کی ابتداء مرد و عورت کا ملاپ ہے لہذا شادی ان کے نزدیک نہ صرف ضروری بلکہ ایک مقدس فریضہ ہے۔

قرآن کی روشنی میں تخلیق کی ابتداء: بائبل اور قرآن اس امر پر متفق ہیں کہ کائنات کی ابتداء ایک مرد اور عورت سے ہوئی ہے اور یہی وہ پہلا رشتہ ہے جس سے نسل انسانی کی افزائش ہوئی ہے۔ فرمان خداوندی ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً"[25]

"اے لوگوں اپنے پروردگار سے خبردار رہو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔"

سورۃ النساء کی یہ آیت واضح طور پر اشارہ دے رہی ہے کہ نوع انسانی کی تخلیق کی ابتداء ایک فرد سے کی، جس سے دنیا میں نسل انسانی پھیلی۔ آگے فرمایا یعنی اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ کتاب اللہ اس تخلیقی کیفیت کے بارے میں مکمل خاموش ہے اور اس کو مخفی رکھا کیونکہ یہاں مقصد پیدائش کی کیفیت بیان کرنا نہیں بلکہ اصل پیغام مساوات انسانی کا ہے کہ جس نے تمام انسانوں کو وحدت کے رشتہ میں پرو دیا ہے۔

قرآن کا یہ اسلوب ہے کہ وہ غیر ضروری تفصیلات سے اجتناب کرتا ہے جس کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو لہذا جہاں قرآن نے مرد و عورت کے ملاپ کی اہمیت کو بیان کیا ہے وہیں اس رشتے کا مقصد اور حقیقت بھی بیان فرمائی ہے اس رشتے کو اللہ نے عظیم نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

"وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً"[26]

"اور ان کی نشانیوں میں سے ہے کہ انہوں نے آپ کی جنس سے آپ کے لئے جوڑے پیدا کئے تاکہ ان سے سکون حاصل کرو اور انہوں نے آپ کے درمیان محبت اور پیار رکھ دیا۔"

قرآن کی رو سے نکاح کا مقصد راحت و سکون کا حصول ہے۔ یہ وہ واحد رشتہ ہے۔ جس میں دو انسان جو ایک دوسرے سے نا آشنا ہوں طور طریقے مختلف ہوں مگر اس مقدس بندھن میں جڑنے کے بعد آپس میں محبت اور پیار ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ دونوں کے دلوں میں ڈالتا ہے اور یہ دو افراد کی، محبت خاندان، قبائل اور قوموں میں محبت کا ذریعہ ہے۔ قرآن مجید نے نکاح کے صرف ظاہری پہلو یعنی افزائش نسل سے بحث نہیں کی بلکہ اس نے اس رشتے کی حقیقت کو خوبصورت تنبیہ سے سمجھایا۔ فرمایا گیا۔

"هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ"[27] "وہ آپ کے لئے لباس ہیں اور آپ ان کے لئے لباس ہو"

اب سوال یہ ہے کہ لباس سے اس رشتے کو تشبیہ کیوں دی گئی۔ تو لباس کے تین مقاصد ہوتے ہیں۔

۱۔ گرم و سرد موسم سے جسم کی حفاظت

۲۔ ستر پوشی

۳۔ زینت میں اضافہ

میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اس رشتے کی گہرائی اہمیت اور تقدس کے ساتھ اس کی ضرورت کو ظاہر کیا گیا ہے تاکہ فریقین اس رشتے کی قدر کر سکیں اور ایک دوسرے کی ہمدرد، محافظ اور دکھ سکھ کے شریک ہوں۔ قرآن کریم نے جس قدر جامع اور خوبصورت انداز میں رشتہ ازواج کی اہمیت، مقصدیت اور حقیقت کو بیان کیا ہے۔ کتب سابقہ میں ایسی مثال نہیں ملتی۔

نکاح: خاندان انسان کی پہلی آماجگاہ، شناخت اور پہچان ہے جس کی ابتداء ایک معاہدہ سے ہوتی ہے جو مرد و عورت کے درمیان طے پاتا ہے۔ اس معاہدہ کے باعث مرد و عورت ایک دوسرے کے لئے حلال ٹھہرتے ہیں۔ افزائش نسل ہوتی ہے۔ نئے رشتے پروان چڑھتے ہیں اور خاندانوں میں الفتیں اور محبتیں قائم ہوتی ہیں۔ الہامی کتب کی روشنی میں اس کی ابتداء جنت سے ہوئی تھی لہذا انتہائی مقدس رشتہ سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کی تاسیس کا سہرا انبیاء علیہم السلام کے سر ہے۔ نکاح کے حوالے سے کتب سابقہ کی تعلیمات درج ذیل ہیں۔

ا۔ عہد نامہ عتیق میں یہ اجازت نہیں دی گئی کہ غیر یہودی سے نکاح کر کے اسکو خدا کی جماعت میں شامل کیا جائے کیونکہ ان کے نزدیک یہودی خدا کے منتخب اور پسندیدہ ہیں اور وہ خود کو Family of God قرار دیتے ہیں۔ کتاب استثنا میں تعلیم دی گئی ہے۔ "کوئی عمونی یا موابی خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو دسویں پشت تک ان کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی آنے نہ پائے۔"[28]

غیر قوم کی بیویاں یہودیوں کے نزدیک جرم قرار دیا گیا ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کے نزدیک گنہگار ہے۔ اسے توبہ کرنی ہے اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ "اور کاہنوں کی اولاد میں یہ لوگ ملے جنہوں نے اجنبی عورتیں بیاہ کی تھیں یعنی بنی یشوع میں یوصدق کا بیٹا اور اس کے بھائی معسیاہ اور الیعزر اور یارب اور جدلیاہ۔ انہوں نے اپنی بیویوں کو دور کرنے کا وعدہ کیا اور گنہگار ہونے کے سبب سے انہوں نے اپنے گناہ کے لئے اپنے اپنے ریوڑ میں سے ایک ایک مینڈھا قربان کیا۔"[29]

نکاح کے لئے یہودی ہونے کے ساتھ ساتھ پاکدامنی بھی شرط ہے۔ کسی فاحشہ عورت سے نکاح کی اجازت نہیں ہے اور اس کو کتے سے تشبہ دی گئی ہے۔ "اسرائیلی لڑکیوں میں سے کوئی فاحشہ نہ ہو اور نہ اسرائیلی لڑکوں میں سے کوئی لوطی ہو۔ تو کسی فاحشہ کی خرچی یا کتے کی اجرت کسی منت کے لئے خداوند اپنے خدا کے گھر میں نہ لانا کیونکہ یہ دونوں خداوند تیرے خدا کے نزدیک مکروہ ہے۔"[30]

نکاح ایک مقدس فریضہ سمجھا گیا ہے لہذا اسرائیلی عورتوں کو خاص طور پر اس کی ترغیب دی گئی ہے کہ جب خداوند اپنے لوگوں کو نصیحت کرتا ہے تو اسرائیلی بیٹی کو بھی تاکید ہے۔ "اپنے لئے ستون کھڑے کر، اپنے لئے کھمبے بنا اس شاہراہ پر دل لگا جس سے تو گئی تھی۔ واپس آ اے اسرائیل کی کنواری اپنے ان شہروں میں واپس آ۔ اے برگشتہ بیٹی تو کب تک آوارہ پھرے گی؟ کیونکہ خداوند نے زمین میں ایک نئی چیز پیدا کی ہے کے عورت مرد کی حمایت کرے گی۔"[31]

یہودی مذہب میں نئے شادی شدہ جوڑے کو اجازت ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گزاریں۔ یہاں تک کہ تعلیم ہے کہ ایسے مردوں کو جنگ اور دیگر کاموں سے دور رکھا جائے۔ "جب کسی نے کوئی نئی عورت بیاہی تو وہ جنگ کے لئے نہ جائے اور نہ کوئی کام اس کے سپرد ہو وہ سال بھر تک اپنے ہی گھر میں آزاد رہ کر اپنی بیاہی بیوی کو خوش رکھے۔"[32]

یہودی مذہب میں شادی کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے اس کی ترغیب دی گئی ہے جبکہ انجیل میں نکاح نہ کرنا اور اپنی اس خواہش اور ضرورت کو خدا کے لیے ختم کر دینا نیکی اور پرہیز گاری کا معیار ہے۔ متی میں ہے: "شاگردوں نے اس سے کہا کہ اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا حال ہے تو

بیاہ کرنا ہی اچھا نہیں۔ اس نے ان سے کہا کہ سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے مگر وہی جن کو یہ قدرت دی گئی ہے کیونکہ بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ سے ایسے ہوئے ہیں اور بعض خوجہ اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا جو قبول کر سکتا ہے وہی قبول کرے۔"[33]

قرآن میں مرد و عورت کے مابین میاں بیوی کا رشتہ بنانے کے لئے "نکاح" کی اصطلاح استعمال ہو گی جس کے معنی عقد کے ہیں۔ قرآن نے رشتہ ازواج کو "حصن" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی انسان کی اخلاق و کردار کی حفاظت کے لئے "قلعہ" ہے۔ لہذا نکاح کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

"فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ"[34] "پس جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔"

قرآن نے جہاں مردوں کی رضامندی اور پسندیدگی کا حق دیا ہے وہاں مسلم خواتین کو بھی اپنے بارے میں فیصلہ کا حق ہے۔

"فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ۔"[35] "پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے کہ اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں"

قرآن کے اس حکم نے زمانہ جاہلیت کی اس سوچ کا رد کیا ہے جس میں لوگ عورت کو اپنی ملکیت تصور کرتے تھے اور اسے اپنی ذات کے بارے میں فیصلہ کا حق دیا ہے البتہ "معروف" کی شرط لگائی ہے جس کا مطلب ہے کہ "ولی" کی سرپرستی اور اجازت کے بغیر ایسا نہ کرے۔ کیونکہ شریعت کی رو سے پسندیدہ یہی ہے کہ عورت کا نکاح اس کے سرپرست اور ولی کی اجازت سے ہو عورت کی رضامندی کے ساتھ ہو۔ ارشاد خداوندی ہے:

"فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ"[36] "پس ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرو"

عقد نکاح ایک معاہدہ ہے جو مرد اور عورت کو بہت سے ذمہ داریوں سے باندھتا ہے لہذا قرآن نے اس کیلئے "رشد" کو شرط قرار دیا ہے یعنی صلاحیت۔ فرمایا گیا۔

"وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا"[37] "اور یتیموں کی آزمائش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں پھر اگر تم ان میں اہلیت پاؤ۔"

قرآن کریم نے رنگ، نسل، ذات، برداری زبان ہر چیز سے بالاتر ہو کر سرپرستوں کو تعلیم دی ہے کہ نکاح کرواتے وقت نیکی اور پرہیز گاری کو معیار قرار دیا جائے۔ فرمان الہیٰ:

"وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ"[38] "اور آپ میں جو بے نکاح ہوں ان کا نکاح کر دو اور جو آپ میں نیک ہوں آپ کی خادم اور خادماؤں میں سے جو نکاح کے لائق ہوں۔"

ان کا بھی قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں نکاح کا اصل مقصد نفسانی خواہش کی تسکین نہیں ہے بلکہ ایک صالح معاشرے کے قیام کی بنیاد ہے لہذا یہ اسی وقت ممکن ہو گا جب فریقین بھی اس صفت کے حامل ہوں اسی لئے قرآن نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ وہ مشرک سے نکاح نہ کریں اور ایک مشرک پر مومن غلام کو ترجیح دی گئی۔

"وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ"[39]

"تم مشرک عورتوں سے ہر گز نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لائیں ایک مومن لونڈی مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہوں اور اپنی عورتوں سے ہر گز نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لائیں ایک مومن لونڈی مشترکہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہوں اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا تک وہ ایمان نہ لائیں ایک مومن غلام مشرک سے بہتر ہے اگر یہ وہ تمہیں پسند ہوں"۔

پچھلے صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے کہ کتب سابقہ کی تعلیمات کے مطابق یہودیوں کو غیر قوم سے شادی کی اجازت نہیں ہے اور یہ ایک قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے جب کہ قرآن کی یہ وسعت نظر یہ ہے کہ اس نے اس کے برعکس مسلمان مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ باکردار نیک اہل کتاب عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔

"مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ"[40]

"ان قوموں میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی بشرطیکہ تم ان کے مہر ادا کر کے نکاح میں ان کے محافظ بنو نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو یا چوری چھپے آشنائیاں کرو"

یعنی وہ اہل کتاب خواتین جو پاکدامن، عصمت کی حفاظت کرنے والی اور اپنی تعلیمات پر کاربند ہوں ان سے نکاح کی اجازت ہے تاکہ آپس میں محبت اور رواداری کا فروغ ہو۔ مندرجہ بالا حوالہ جات کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآنی تعلیمات کا موازنہ کتب سابقہ کی تعلیمات سے کیا جائے تو بلا کسی شک وشبہ کے یہ نتیجہ اخد کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کی تعلیمات انتہائی جامع، عالمگیر اور زمینی حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے پر زمانے کے لوگوں کے لئے قابل عمل ہیں جس میں انفرادی مقصد سے زیادہ اجتماعی فلاح کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ جبکہ کتب سابقہ کی تعلیمات میں یہ تصور مفقود ہے اور نکاح کو تسکین خواہش کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

تعدد ازواج: انسانی معاشرے میں ازل سے ہی ایک سے زائد شادیوں کا رجحان رہا ہے۔ عہد نامہ عتیق کی رو سے ایک سے زائد بیویاں کرنا جائز ہے اور کئی انبیاء علیہم السلام کے ایک سے زائد شادیوں کا تذکرہ ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تین بیویاں تھیں۔ بی بی سارہ، بی بی ہاجرہ اور بی بی قطورہ "اور ابرام کو ملک کنعان میں رہتے ہوئے دس برس ہو گے تھے جب اس کی بیوی سارہ نے اپنی مصری لونڈی اسے دی کہ اس کی بیوی بنے.... اور ابراہیم نے پھر ایک اور بیوی کی جس کا نام قطورہ تھا۔[41] جناب یعقوبؑ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ لیاہ راخل، بلہا اور زلفہ:

"اور اس وقت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے لیاہ کے بیٹے یہ تھے روبن یعقوت کا پہلوٹھا اور شمون اور لاوی اور یہوداہ اور اشکار اور زبولون اور راخل کی لونڈی بلہاہ کے بیٹے دان اور نفتالی تھے اور لیاہ کی لونڈی زلفہ کے بیٹے جد اور اشر تھے۔ یہ سب یعقوب کے بیٹے ہیں جو فدان آرام میں پیدا ہوئے۔"[42]

تعداد ازواج کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ عہد نامہ عتیق کے مطابق جناب داؤدؑ کی سو بیویاں تھیں جبکہ جناب سلیمانؑ کی سات سو بیویاں تھیں۔

"سلیمان ان ہی کے عشق کا دم بھرنے لگا اور اس کے پاس سات سو شاہزادیاں اس کی بیویاں اور تین سو حرم میں تھیں۔"[43]

عہد نامہ عتیق کے نزدیک ایک سے زائد بیویاں رکھنا نہ صرف جائز بلکہ باعث برکت ہے۔ ادری فاکس اپنی کتاب "غلطیوں کی اصلاح" صفحہ ۶۰۲، ۷۰۲ میں رقمطراز ہیں: "تعدد ازواج کے مقابلے میں ہم بے تردد تسلیم کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں بھی اس دستور نے رواج پایا اور خداوند نے بھی اس کو منع نہیں کیا۔ بلکہ اس رسم پر چلنے والوں کے لئے برکت کا وعدہ فرمایا ہے۔"[44]

بائیبل کی تعلیمات کی رو سے تعدد ازواج کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی بلکہ جتنی شادیاں ہوں اتنا ہی خدا کی طرف سے برکت کا وعدہ ہے۔

قرآن مجید میں بھی تعداد ازواج کی اجازت موجود ہے مگر اس عدل کے ساتھ مشروط کر دیا گیا ہے۔

"وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا۔"[45]

"اور اگر آپ ڈرتے ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں 'انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے قبضے میں آئی ہیں بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ آپ ظلم نہ کرو۔"

قرآن کی رو سے ایک سے زائد بیوی کی اجازت "عدل" سے مشروط ہے اور اگر کسی کو یہ خدشہ ہو کہ وہ "عدل بین النساء" کی شرط پوری کرنے کا اہل نہیں تو اس کے لئے واضح تعلیم ہے کہ ایک ہی نکاح پر اکتفاء کرے۔ یعنی قرآنی تعلیمات کی رو سے انفرادی چاہت اور خواہش کے لئے اجتماعی فلاح کے تصور کو قربان نہیں کیا جا سکتا ہے۔ عدل کی شرط کے علاوہ معاشرہ پر قرآن کا ایک اور احسان یہ ہے کہ اس نے تعدد ازواج کے عمل کی حد مقرر کر دی یعنی دوسرے لفظوں میں قرآن میں چار شادیوں کی اجازت نہیں بلکہ پابندی لگائی گئی ہے جبکہ کتب سابقہ میں ایسی کوئی پابندی یا حد مقرر نہیں کی گئی۔

ادائیگی مہر: "مہر" یہ وہ تحفہ ہے جو معاہدہ نکاح کے وقت مرد پر لازم ہے کہ وہ ادا کرے۔ موسوی شریعت میں بھی ادائیگی مہر کا تصور موجود تھا کتاب پیدائش میں ہے کہ: "اور سکم نے اس لڑکی کے باپ اور بھائیوں سے کہا کہ مجھ پر بس تمہارے کرم کی نظر ہو جائے پھر جو کچھ تم مجھ سے کہو گے میں دوں گا۔ میں تمھارے کہنے کے مطابق جتنا مہر اور جہیز مجھ سے طلب کرو دوں گا لیکن لڑکی مجھ سے بیاہ دو"[46]

اس طرح کتاب استثناء میں درج ہے کہ: "تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کی ۵۰ پیمائش مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے"[47]

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں بھی جب مرد اور عورت رشتہ ازواج میں منسلک ہوتے ہیں تو شوہر پر فرض ہے کہ وہ حق مہر کی ادائیگی کرے۔

"وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً"[48] "اور عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے ادا کرو"

اسلام میں مہر کی کوئی رقم مخصوص نہیں ہے بلکہ قرآن نے اسے لڑکے کی مالی استطاعت اور معاشرے کی اقدار پر چھوڑا ہے فرمایا گیا۔

"وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ"[49] "اور ان کے مہر دستور کے مطابق انہیں ادا کرو۔"

اسی طرح علیحدگی کی صورت میں بھی مرد کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ مہر میں سے کچھ بھی رقم واپس لے اگرچہ وہ پہاڑ کی مانند ڈھیروں ہی کیوں نہ ہو۔

"وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا"[50] "اور آپ نے ان میں سے کسی ایک کو ڈھیروں مال دیا ہو تو اس سے کچھ واپس نہ لو۔"

انتہائی حد تک بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت کی تعلیم ہے کہ اگر کسی شخص نے انہیں بیویوں کو حق مہر میں مال کثیر عطا کیا ہو تب بھی علیحدگی کے وقت وہ اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے۔ اسلامی تعلیمات کا یہ طرہ امتیاز ہے کہ وہ ہمیشہ احسان کی روش پر چلنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی لئے اگر رخصتی سے پہلے بھی علیحدگی کی نوبت آئے تب بھی آدھا مہر ادا کرنا ہے مگر احسان کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر پورا ہی ادا کر دیں تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

"وَإِن طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِن قَبْلِ أَن تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ۔"[51]

"اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو۔ تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہو گا۔ سوائے اس کے کہ وہ عورت اپنا حق چھوڑ دے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے (اور پورا مہر دے) اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو تو یہ تقوٰی سے زیادہ قریب ہے اور آپس میں احسان کو نہ بھولو"

یعنی زوجین کے معاملات کی بنیاد تقویٰ اور فیاضی پر ہے۔ یہاں تک کی علیحدگی کے معاملے میں بھی احسان کی روش اختیار کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں مرد کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ۔

۱۔ وہ حق مہر پیشگی ادا کرے۔

۲۔ خوشدلی سے ادا کرے

۳۔ شرعی مہر کی کوئی قید نہیں بلکہ ہر زمانے میں ماحول کے مطابق میانہ روی اختیار کرتے ہوئے مہر مقرر کریں۔

۴۔ مہر صرف بیوی کا شرعی حق ہے اس پر نہ تو شوہر کا حق اور نہ ہی لڑکی کے ماں باپ کا۔ مگر بیوی اگر چاہے تو خوشی سے کچھ یا پورا معاف کر دے۔

۵۔ رخصتی سے قبل طلاق کی صورت میں بھی ادائیگی مہر لازمی ہے تاکہ اس عورت کی دلجوئی ہو سکے۔

ادائیگی مہر کے حوالے سے قرآنی تعلیمات کا موازنہ جب کتب سابقہ سے کیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہاں مہر کی ادائیگی کا تذکرہ تو ضرور ہے مگر اس حوالے سے جامع تعلیمات نہیں ہے۔ دوسرا بنیادی فرق ہے کہ مہر کی ادائیگی وہاں لڑکی کے باپ یا سرپرست کو کی جاتی ہے۔

تا کہ وہ اس لڑکی کا بیاہ لڑکے ساتھ کرنے پر راضی ہو جائے جبکہ قرآن میں حق مہر خالصتاً بیوی کا حق ہے جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ قرآن عورت کے حقوق کے تحفظ کا سب سے بڑا علمبر دار ہے۔

طلاق: رشتہ ازواج ایک معاہدہ ہے جو مرد و عورت کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے لہذا فطری تقاضے کے تحت اس میں علیحدگی کا مرحلہ بھی آسکتا ہے۔ کتب سابقہ میں بھی یہ ایک قابل کراہیت عمل ہے۔ البتہ اس کی اجازت صرف ایک ہی صورت میں طلاق کے حوالہ سے موسوی شریعت میں حکم ہے کہ۔ "اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کر لے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کا التفات نہ رہے تو وہ اس کو طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کر دے، اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کر دے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے بیاہ نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے نزدیک مکروہ ہے سو تو اس ملک کو جسے خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے گناہگار نہ بنانا"[52]

موسوی شریعت کے مطابق اگر کوئی مرد و عورت کو طلاق دے رہا ہے تو چند باتوں کی پاسداری ضروری ہے۔

۱۔ لکھ کر طلاق دے زبانی کہہ دینے سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ جس کا مقصد مرد کو جلد بازی سے روکنا تھا۔

۲۔ طلاق کی وجہ یہی ہو کہ اگر وہ اپنی بیوی میں بدکرداری کے آثار دیکھے اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

۳۔ جس عورت کو طلاق دے دی اب کسی صورت دوبارہ اس سے نکاح کی اجازت نہیں اور یہ خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

تورات میں طلاق کی اجازت ہے اور اس کے بعد دوسرا بیاہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر انجیل میں اس سے حتی الامکان روکا گیا اور دوسری شادی کو زنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ متی میں درج ہے:

"اور فریسی اسے زمانے کو اس کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے؟ اس نے جواب میں کہا کیا تم نے نہیں پڑھا ہے کہ جس نے انہیں بنایا اس نے ابتدا ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا ہے کہ اس سبب سے مرد باپ اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ دونوں ایک جسم ہونگے بس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ انہوں نے اس سے کہا کہ پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا کہ طلاق نامہ دے کر چھوڑ دی جائے۔ اس نے کہا کہ موسی نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تم کو اپنی بیویوں کو چھوڑنے کی اجازت دی مگر ابتداء سے ایسا نہ تھا اور میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو حرامکاری کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑے اور وہ دوسری سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کر لے وہ بھی زنا کرتا ہے"[53]

انجیل میں عیسیٰؑ کی تعلیمات کے مطابق:

۱۔ سوائے بدکاری کے کسی وجہ سے طلاق کی اجازت نہیں۔

۲۔ اگر کوئی بیوی کو چھوڑ کر دوسروں سے بیاہ کرلے تو ایسا شخص بدکاری کا مرتکب ہوا ہے۔

۳۔ یہاں تک کہ اگر کوئی شخص چھوڑی ہوئی عورت سے نکاح کرلے تو وہ بھی بدکاری کا مرتکب ہے۔ یعنی ساری زندگی وہ گنہگاروں کی زندگی گزارتے ہیں۔

قرآن وہ کتاب ہے جس میں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق دستور موجود ہے جو کہ نقائص سے پاک ہونے کے ساتھ بیش بہا خصائص کا حامل ہے۔ اسلام میں بھی اگر زوجین کے مابین تعلقات خوشگوار نہیں تو آخری چارہ جوئی کی حیثیت سے طلاق کی اجازت موجود ہے۔ یعنی شادی کے میثاقاً غلیظاً رابطے کو منقطع کرکے تعلق زوجیت کو ختم کرنا ہے۔

دین اسلام میں نکاح کی حیثیت غیر معمولی ہے اس لئے اسے یعنی پختہ عہد کہا گیا ہے۔ اس لئے بلا سوچے سمجھے فوراً طلاق سے منع کیا گیا ہے۔ قرآن وہ واحد کتاب ہے جس کے قانون طلاق میں تدریج کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان مرد بیوی کو طلاق دینا چاہے تو درج ذیل تدریجی مراحل سے گزرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا"[54]

"اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور پھر سرزنش کرو پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو پھر ان پر دست درازی کے بہانے تلاش مت کرو۔"

اگر بیوی نافرمان ہے تو بھی جلد بازی میں طلاق کا فیصلہ نہیں کرنا بلکہ:

۱۔ محبت سے نصیحت کرنا ہے۔

۲۔ خواب گاہیں علیحدہ کرلیں

۳۔ اور پھر آخری چارہ جوئی کے طور پر ناپسندیدہ تدبیر اختیار کی جائے کہ حتی الامکان طلاق واقع نہ ہو اور یہ ہے کہ ہلکی پھلکی جسمانی سرزنش کی جاسکتی ہے تاکہ طلاق کے تباہ کن نتائج سے محفوظ رہا جاسکے۔

اب اگر تینوں مراحل کے باوجود بھی عورت کی طرف سے نافرمانی اور سرکشی کی روش باقی ہے تب بھی فی الفور طلاق نہیں بلکہ اب بھی توقف اختیار کرتے ہوئے مصالحت کی کوشش کی جائے اور مرد اور عورت دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک مرد بطور حاکم آئے اور فیملی کورٹ کی حیثیت سے کام کیا جائے اور دونوں فریقین حتی المقدور کوشش کریں کہ اس رشتے کو بچالیا جائے اور طلاق واقع نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ساتھ ہی وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ صدقِ دل سے مصالحت کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان میں موافقت پیدا کردیں گے۔

"وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا۔"[55]

"اور اگر تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کا رشتے داروں میں سے مقرر کر دو۔ وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت نکال دے گا"۔

بالا آخر اگر خاندان والے بھی صلح جوئی نہ کرا سکیں تو آخری چاہ جوئی کے طور پر اسلام مرد اور عورت کو جدا ہونے کا اختیار دیتا ہے۔ مرد کو طلاق کی صورت میں اور عورت کو خلع کی شکل میں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر قانون طلاق بیان ہوا ہے۔

"الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَن يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ۔"[56]

"طلاق دو مرتبہ ہے۔ پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے اس کو رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے وقت ایسا کرنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو مگر اس صورت میں کہ دونوں کو اندیشہ ہو کہ وہ حدود الہیٰ پر قائم نہیں رہ سکے گیں۔"

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں طلاق تدریجی عمل ہے اس لئے دو موقع دئے جارہے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رشتے کی حفاظت اور دوام کی آخری حد تک امید رکھتے ہیں۔ دوسرا اہم نکتہ یہ کہ انتہائی نازک صورتحال میں بھی احسان کی روشنی کو نہیں بھولنا ہے۔ یعنی رخصت کرتے وقت بھی ناموافق حالات میں خوش اسلوبی اور احسان کے ساتھ رخصت کریں۔ جہاں تک مقصد طلاق کا تعلق ہے وہ بھی صرف اس صورت میں کہ حدود اللہ کی پاسداری میں مشکلات ہوں یعنی مقصد نکاح کے حصول میں رکاوٹ ہو۔

۲۔ اسی طرح اسلام کے قانون طلاق کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ جس طرح مرد کو اختیار ہے طلاق کا عورت کو بھی یہ حق دیا گیا ہے۔ کہ وہ مہر واپس کر کے شوہر سے طلاق حاصل کر لے جس کو عرف عام میں "خلع" کہا جاتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ"[57]

"بس اگر تمکو اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الہی پر قائم نہ رہ سکے گیں تو ان پر اس چیز کے بارے میں کوئی حرج نہیں جو عورت فدیے میں دے۔"

۳۔ اس قانون خداوندی کے تیسری اہم خصوصیت یہ ہے اگر عدت کے دوران رجوع نہ ہو سکا مگر بعد میں دونوں کو احساس ہوا اور وہ واپس ہونا چاہیں تو وہ عقد جدید کے ذریعے ایسا کر سکتے ہیں اور دونوں کے گھر والوں کو تعلیم دی جارہی ہے کہ وہ اس عمل میں مانع نہ ہو۔

"وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ"[58]

"اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے چکے ہو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو پھر اس میں مانع نہ ہو کہ وہ اپنے زیر تجویز شوہروں سے نکاح کر لیں جبکہ وہ معروف طریقے سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔"

۴۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اگر طلاق کے بعد عورت دوسرا نکاح کر لے۔ اگر وہ بھی طلاق دے دے یا فوت ہو جائے تو اگر سابقہ شوہر چاہے تو دوبارہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔ فرمان خداوندی ہے۔

"فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِن بَعْدُ حَتَّىٰ تَنكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِن طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَتَرَاجَعَا إِن ظَنَّا أَن يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ"[59]

"پھر اگر شوہر عورت کو طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔ ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے سے رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیہ کہ وہ خدا کی حدود قائم رکھیں"۔

۵۔ پانچویں اہم خصوصیت یہ ہے کہ جب طلاق کا عمل ہو اور یہ فیصلہ ہو کہ خواہ عدت کو واپس لیا جائے یا عدت مکمل کر کے رخصت کر دیا جائے دونوں صورتوں میں دو معتبر گواہوں کی موجودگی ضروری ہے۔

"فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ۔"[60]

"پھر جب وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں تو ان کو یا تو دستور کے مطابق رکھ لو یا دستور کے مطابق چھوڑ دو اور دو معتبر آدمی گواہ کرلو اور ٹھیک ٹھیک اللہ کے لئے گواہی دو"

پھر اگر شوہر عورت کو طلاق دے دے تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرے۔ اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہو گی۔ ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے سے رجوع کرلیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیہ کہ وہ خدا کی حدود قائم رکھیں۔

۶۔ چھٹی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اگرچہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل اور آخری چارہ جوئی ہے لیکن بعض دفعہ حالات ایسے موڑ پر آجاتے ہیں اور فریقین کی بہتری اسی میں ہوتی ہے کہ وہ علیحدگی اختیار کرلیں ایسی صورتحال میں قرآن یہ تعلیم دیتا ہے کہ دونوں کو اللہ پر بھروسہ کرنا چاہئیے وہ دونوں کے لئے راستے کھول دیں گے جس کے ذریعے بلاواسطہ یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ کوئی بھی فریق اس گھمنڈ میں نہ آئے کہ وہ دوسرے کا کام بنانے والا ہے۔

"وَإِن يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّن سَعَتِهِ"[61] "اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کرینگے"۔

مندرجہ بالا حوالہ جات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ پچھلی کتب سماوی میں طلاق کی اجازت تو ہے مگر صرف ایک ہی صورتحال میں کہ اگر بیوی بدکاری کی مرتکب ہو۔ اس کے علاوہ کسی بھی وجہ سے طلاق کی اجازت نہیں۔ یہ شرط طلاق کے عمل کو بظاہر مشکل یا کسی حد تک ناممکن بنارہی ہے مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے اگر فریقین میں باہم ہم آہنگی محبت کا تعلق نہیں ہے تو مقصد نکاح فوت ہوتا ہے جس سے دیگر نفسیاتی الجھنیں اور سماجی مسائل جنم لے گیں جس کے نقصانات طلاق کے نقصان سے کہیں زیادہ ہیں اور اگر فی الواقع مرد طلاق دینا بھی چاہے تو اس کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ کردار کشی کرے جس سے نہ صرف فرد خاندان بلکہ پورا معاشرہ متاثر ہو گا۔ اس کے علاوہ تعلیمات مسیحؑ کی روشنی میں مزید سخت قوانین دئے گئے کہ اگر کوئی اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کرتا ہے تو وہ عمر بھر زنا کا مرتکب ہوتا ہے اسی طرح کوئی مطلقہ سے بیاہ کرلے تو وہ بھی زنا کا مرتکب ہے۔

کتب سابقہ کی تعلیمات میں رشتہ ازواج میں عورت کی حیثیت کو مکمل نظر انداز کرتے ہوئے مکمل اختیارات مرد کو دئے گئے ہیں۔ عورت کو طلاق کا حق نہیں ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں قرآن طلاق کے حوالے سے تفصیلی تعلیم دی ہے۔ پہلے مرحلے میں صلح کی حتی المقدور کوشش کی جائے گی جس کے چار مراحل ہیں اور اگر پھر بھی علیحدگی کی نوبت آئے تو اس رشتے کو یکبارگی توڑنے کے بجائے تین مراحل میں انجام دینے کا حکم ہوا جو کہ چند ماہ میں تکمیل کے مراحل کو پہنچتا ہے۔ اسلامی قانون کے تحت طلاق کسی بھی ذاتی وجوہات کی بناء پر نہیں ہے بلکہ ایک ہی وجہ ہے اور وہ ہے۔ مقصد نکاح فوت ہونا۔ اگر حدود خداوندی کی پامالی کا خدشہ ہو۔ جس طرح مرد کو اختیار ہے کہ عورت بھی "حق خلع" تفویض کیا گیا ہے۔ کہ وہ مہر کی رقم واپس کر کے علیحدگی حاصل کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رشتے کو بچانے اور اس کی حفاظت کی آخری حد تک امید رکھتے ہیں اسی طلاق رجعی کے بعد دوبارہ اتحاد کا امکان کھلا رکھا ہے۔ اور اگر آخری قدم کے طور پر علیحدگی کی نوبت آ بھی جائے تو خوش اسلوبی اور احسان کے ساتھ رخصت کرنے کی تعلیم ہے۔

عدت: عدت کے لغوی معنی شمار کرنے کے ہیں جبکہ شرعی اصطلاع میں عدت سے مراد وہ مدت ہے جس میں عورت دوسرا نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت کا کوئی تصور میری تحقیق کے مطابق کتب سابقہ میں نہیں ہے لہذا ہم صرف قرآنی تصور اور اس کی حکمت بیان کریں گے۔ قرآن کی رو سے عورت پر دو وجوہات کی بناء پر عدت ہے۔ ۱۔ طلاق ۲۔ شوہر کی وفات

ارشاد خداوندی ہے۔ "وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ"[62]

"جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور جن کے لئے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو خلق فرمایا اسے چھپائیں۔"

عورتوں کو تین ماہ تک نیا نکاح کرنے سے روکا ہے خاوند کے طلاق دینے کے بعد یعنی دوسرے الفاظوں میں طلاق دینے اور اس کے وقوع ہونے کے درمیان تین ماہ ہیں جس میں رجعت کا حق ہے۔

عدت کی دوسری حکمت جس کی وضاحت خود قرآن نے کی ہے کہ حمل ظاہر ہو جائے تاکہ نسب میں اختلاط نہ ہو اور اولاد اپنے والد کی طرف ہی منسوب ہو۔ عدت کا مقصد عورت کی عزت کا تحفظ بھی ہے تاکہ کوئی بھی شخص اس کی کردار کشی نہ کر سکے۔ عدت کے حوالے سے دوسرا حکم یہ ہے کہ طلاق کے بعد وہ گھر سے نہ نکالی جائے بلکہ عدت شوہر کے گھر میں ہی کرے گی سوائے اس کے کہ وہ صریح برائی کی مرتکب ہو۔

"لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِن بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَن يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ"[63] "نہ تم انہیں ان کے گھر سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں اور یہ کہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔"

عدت طلاق بیوی شوہر کے گھر میں ہی گزارے گی جس کو خدا نے ان کا گھر (بیوتھن) کہا جو کہ عورت کے حقوق کا عظیم مظہر ہے نہ صرف یہ کہ عدت اسی گھر میں گزارے بلکہ دوران عدت نان نفقہ اور خیال رکھنے کی ذمہ داری بھی شوہر پر ہے جبکہ بعض علماء کے نزدیک سال بھر کا خرچہ بھی شوہر کو دینا ہوتا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ"[64]

"اور مطلقہ عورتوں کو بھی اچھے طریقے کے مطابق خرچہ دینا ہے۔"

جبکہ اس کے مقابلے میں کتب سابقہ میں ایسا کوئی تصور نہیں ملتا بلکہ اس کے برعکس شوہر کو حکم ہے کہ وہ طلاق نامہ دے کر بیوی کو اپنے گھر سے نکال دے۔ عدت کے حوالہ سے تیسرا حکم ان خواتین کے لئے ہے جو عمر رسیدہ ہو چکی ہیں یا وہ جن کو حیض نہ آیا ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

"وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ"[65] "اور آپ کی عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر آپ کو شبہ ہو تو انکی عدت تین ماہ ہے اور اسی طرح ان کی بھی جس کو حیض نہیں آیا۔"

اسی طرح حاملہ عورتوں کی عدت بھی بیان کر دی گئی جو کہ وضع حمل ہے۔

"وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"[66] "اور حاملہ عورتوں کی عدت بچہ جننے تک ہے۔"

تعلیمات الٰہی کا اصل مقصد انسان کو شک و تردد کی کیفیت سے باہر لانے اور اس کے لئے آسانیاں فراہم کرنا ہے۔ اسی لئے نہ صرف یہ کہ عدت کی تعلیم دی بلکہ ہر زوایے سے اس کا مکمل بیان دیا جو بھی ممکنہ صورتحال عورت کی ہو سکتی ہے یہ شان کریمی اور رحیمی کا عظیم مظہر ہے۔

۲۔ شوہر کی وفات:۔ شوہر کی وفات کی عدت چار ماہ دس دن ہے اگر عورت حاملہ نہ ہو۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ"[67]

"تم میں سے جو لوگ مر جائیں، ان کے پیچھے اگر ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔"

شوہر کی وفات کے بعد عورت چار ماہ دس دن تک دوسرا نکاح نہ کرے گی البتہ اس کے بعد وہ اپنی زندگی کے بارے میں مکمل با اختیار ہے کہ وہ معمول کی زندگی گزارے اور اگر چاہے تو دوسرا نکاح بھی کر سکتی ہے کسی کو انہیں روکنے کا یا ان پر تنقید کا حق نہیں ہے۔ عورت کے حقوق کا علمبردار قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ضابطہ نہیں ہے کہ یہاں تک کی تعلیم ہے کہ بیوہ عورتیں ایک سال تک اس گھر سے نہ نکالی جائیں اور شوہر ایک سال کا خرچ ان کے لئے وصیت کر جائیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

"وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ"[68]

"اگر تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں ان کو چاہئے کہ ایک سال تک ان کو نان و نفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں پھر اگر وہ خود نکلنا چاہیں تو اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو کچھ بھی اس کے ذمہ داری تم پر نہیں۔"

بیوہ خواتین کیلئے ایک سال تک مردوں کی طرف سے نان ونفقہ کی وصیت عورت کے حقوق کی حفاظت کا عظیم مظہر ہے۔ قرآن نے زمانہ عدت میں عورت کو اپنے بارے میں سوچنے کا اور فیصلے کا حق دیا ہے۔

"وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ"[69] "زمانہ عدت میں خواہ تم ان بیوہ عورتوں کیساتھ منگنی کا ارادہ اشارہ کنایا میں ظاہر کرو خواہ دل میں چھپائے رکھو دونوں صورتوں میں کوئی مذائقہ نہیں۔"

قرآن کی رو سے عدت صرف وہ مدت ہے جس میں دوسرے نکاح سے روکا گیا ہے بیوہ عورتوں پر بے جا پابندیاں لگانا اور ان کو زندگی کو تنگ کرنا غیر اسلامی تصور ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں کتابِ سابقہ میں بیوہ کیلئے اگر وہ بے اولاد ہے تو لازم ہے کہ وہ اپنے مرحوم شوہر کے بھائی سے نکاح کرلے پھر جو اولاد ہوگی وہ مرحوم بھائی سے منسوب ہوگی اور اس عمل سے انکار کرنے والے کو خوب ملامت کیا جائیگا۔ کتاب استثناء میں ہے کہ: "اگر کئی بھائی مل کر ساتھ رہتے ہوں اور ایک ان میں سے بے اولاد مر جائے تو اس مرحوم کی بیوی کسی اجنبی سے بیاہ نہ کرے بلکہ اس کے شوہر کا بھائی اس کے پاس جاکر اسے اپنی بیوی بنالے اور شوہر کے بھائی کا جو حق ہے وہ اس کے ساتھ ادا کرے اور اس عورت کے جو پہلا بچہ ہو وہ اس آدمی کے مرحوم بھائی کے نام کہلائے گا تاکہ اس کا نام اسرائیل میں سے مٹ نہ جائے۔ اور اگر وہ آدمی اپنی بھاوج سے بیاہ نہ کرنا چاہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ تب اس کے شہر کے بزرگ اس آدمی کو بلوا کر سمجھائیں اور اگر وہ اپنی بات پر قائم رہے اور کہے مجھ کو اس سے بیاہ منظور نہیں تو اس کی بھاوج بزرگوں کے سامنے اس کے پاؤں سے جوتی اتارے اور اس کے منہ پر تھوک دے اور یہ کہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کا گھر آباد نہ کرے اس سے ایسا ہی کیا جائے گا۔"[70]

حرفِ آخر: زیرِ تحریر مقالے کے مندرجات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الہامی مذاہب میں نکاح کو اہمیت حاصل ہے اور یہودیت، عیسائیت اور اسلام کی مذہبی کتب میں اس کے متعلق علیحدہ مباحث اور قوانین موجود ہیں تاہم اسلام میں نکاح کے احکامات اور میاں بیوی کے درمیان حقوق و فرائض کو جس تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کسی اور مذہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان تفصیلات کے باعث شوہر اور بیوی کو نہ صرف اُن کی ذمہ داریوں کا اِحساس دلایا گیا ہے بلکہ دونوں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ ان حقوق و ذمہ داریوں کے متوازی ہونے کی صورت میں مضبوط خاندان کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور ایک خوش حال معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

حوالہ جات:

[1] www.urduenglishdictionary.org

[2] پروفیسر سید مہدی حسن زیدی، عمرانیات کے اصول، ص۱۶۶، غضنفر اکیڈمی، کراچی

Prof. Syed Mehdi Hasan Zaidi, Imraniyaat kay Usool. Page 166, Ghazanfer Academy Karachi.

[3] A Consensus Report of the Family Criteria Task Force Wasington DC: Family Impact Seminar 1988

[4] Family import seminar, 1988 washington D.C pg:20

[5] ارشد رضوی، تعارف عمرانیات، ص،204 کفائیت اکیڈمی کراچی، جولائی1998

Arshad Rizvi, Ta'aruf e Imraniyaat, Page 204, Kifayat Academy Karachi, July 1998

[6] ڈاکٹر سید ضمیر علی اختر، قرآنی عمرانیات، ص206، اخوان پبلشرز کراچی جولائی1983

Dr. Syed Zameer Ali Akhter, Qurani Imraniyaat. Page 206, Akhwan Publishers, Karachi, July 1983

[7] F.Ogburn william New York Magazine P:611

[8] القرآن: سورۃ النحل ۱۶، آیت ۳۶

Quran 16: 36

[9] القرآن: الشوری ۲۴، آیت ۱۳

Quran 24:13

[10] القرآن: المائدہ ۵۔ آیت ۳

Quran 5:3

[11] کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور، ۲۰۱۰ء

Kitab –e-Muqaddas , Pakistan Bible society, Lahore 2010

[12] ایضاً، ص ۲۲

Same as above Page 22

[13] چیمہ پروفیسر غلام رسول، مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ، علم و عرفان پبلشرز لاہور 2006، ص ۳۸۵، ۳۸۴

Cheema Prof. Ghulam Rasool, Mazahib-e- Aalam ka taqabuli Muta'alla, ilm-o-Irfan publishers Lahore 2006, page 384-385

[14] کتاب مقدس، ص ۱۷۳۱، محولہ بالا

Kitab-e-Muqaddas, Page 1731 Same as above

[15] ایضاً

Same as above

[16] چیمہ پروفیسر غلام رسول، مذاہبِ عالم تقابلی مطالعہ، ص ۴۶۰

Cheema Prof. Ghula Rasool, Mazahib-e- Aalam ka taqabuli Muta'alla,, page 460

[17] عثمانی، مولانا محمد تقی، علوم القرآن، ص ۲۴، مکتبہ دارالعلوم، کراچی رمضان المبارک 1428ھ

Usmani, maulana Muhammad taqqi, Uloom-ul-Quran, Page 24, Maktaba dar-ul-Uloom Karachi, Ramadan ul Mubarak 1428

[18] چیمہ پروفیسر غلام رسول، مذاہبِ عالم تقابلی مطالعہ، ص ۶۴۲

Cheema Prof. Ghula Rasool, Mazahib-e- Aalam ka taqabuli Muta'alla,, page 642

[19] التلویح مع التوضیح، ج ۱، ص 46، دار الکتب العلمیۃ، بیروت 1377ھ

Al-Talweeh ma-al-Tauzeeh, Volume 1, Page 46, Dar-ul-Kutub Al-Ilmiya, Bairut 1377A.H

[20] القرآن: المائدہ ۵۔ آیت ۴۸

Quran 5: 48

[21] کتاب مقدس، کتاب پیدائش باب ۲: آیت ۱۸، ص ۳۱

Kitab-e- Muqaddas , Kitab-e- Paidaish, 2 :18

[22] کتاب پیدائش، باب دوم، آیت ۲۱ تا ۲۳، ص ۳۲

Kitab-e-Paidaish, 2:21-23

[23] ایضا، باب دوم، آیت ۲۴، ص ۳۲

As above, 2:24

[24] رضی الدین سید، یہودی مذہب مہد سے لحد تک، ص ۱۱۳، مکتبہ قاسمیہ، کراچی 2018

Razi-uddin Syed, Yahodi Mazhab mehed sai lehed tak, page 113, maktaba Qasmiya Karachi 2018

[25] القرآن: سورۃ النساء ۴، آیت ۱

Quran 4:1

[26] القرآن: سورۃ الروم ۳۰، آیت ۲۱

Quran 30: 21

[27] القرآن: سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۱۸۷

Al-Quran , Surah Al-Baqra verse no 187

[28] کتاب استثناء باب ۲۳:۳ ص، ۳۵۷

Kitab-e- Istasna 23:3

[29] کتاب عزرا، باب ۱۰:۱۹، ۱۸، ص ۸۳۷

Kitab-e-Azra10: 18-19

[30] کتاب استثناء باب ۲۳، آیت ۱۹، ۱۸، ص ۳۵۷

Kitab-e- Istasna 23: 18-19

[31] کتاب۔ ہرمیاہ باب ۳۱:۲۲، ۲۱ ص ۱۳۹۵

Kitab-e-Harmia 31:21-22

[32] کتاب استثناء باب ۲۴:۵، ص ۳۵۸

Kitab-e- Istasna 24:5

[33] انجیل متی، باب ۱۹، آیت ۱۰ تا ۱۲، ص ۱۷۷۵

Injeel-e-Mata 19:10-12

[34] القرآن: سورۃ النساء ۴، آیت ۴

Quran 4:4

[35] القرآن: سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۳۵

Quran 2:235

[36] القرآن: سورۃ النساء ۴، آیت ۲۵

Quran 4:25

[37] القرآن: سورۃ النساء ۴، آیت ۶

Quran 4:6

[38] القرآن: سورۃ النور، ۲۴، آیت ۳۲

Quran 24:32

[39] القرآن: سورۃ البقرہ ۲، آیت ۲۲۱

Quran 2:221

[40] القرآن: سورۃ المائدہ ۵، آیت ۵

Quran 5:5

[41] کتاب پیدائش، باب ۱۶، آیت ۴، ص ۵۱، ۔۔۔ باب ۲۵، آیت ۱، ص ۶۶

Kitab-e-Paidaish 16:4 and 25:1

[42] کتاب پیدائش، باب ۳۵ آیت ۲۲ تا ۶۲، ص ۸۷

Kitab-e-Paidaish 35:22-62

[43] کتاب۔ ا۔ سلاطین، باب ۱۱، آیت ۳، ص ۶۲۰

Kitab-e-Salateen 11:3

[44] چیمہ پروفیسر غلام رسول، مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۴۱۳

Cheema Prof. Ghula Rasool, Mazahib-e- Aalam ka taqabuli Muta'alla,, page 413

[45] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۳

Quran 4:3

[46] کتاب پیدائش، باب ۳۴ آیت ۱۲، ۱۱، ص ۸۴

Kitab-e-Paidaish 34: 11-12

[47] کتاب استثناء، باب ۲۲، آیت ۲۹، ص ۳۵۶

Kitab-e-Istasna 22: 29

[48] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۴

Quran 4:4

[49] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۲۵

Quran 4:25

[50] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۲۰

Quran 4:20

[51] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۳۷

Quran 2:237

[52] کتاب استثناء، باب ۲۴، آیت ۱ تا ۴، ص ۳۵۸

Kitab-e-Istasna 24: 1-4

[53] انجیل متی، باب ۱۹، آیت ۳ تا ۹، ص ۱۷۷۵

Ihnjeel-e-Mata 19:3-9

[54] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۳۴

Quran 4:34

[55] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۳۵

Quran 4:35

[56] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۲۹

Quran 2:229

[57] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۲۹

Quran 2:229

[58] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۳۲

Quran 2:232

[59] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۳۰

Quran 2:230

[60] القرآن: سورۃ الطلاق۔ ۵۶، آیت ۲

Quran 56:2

[61] القرآن: سورۃ النساء۔ ۴، آیت ۱۳۰

Quran 4:130

[62] القرآن: سورۃ البقرہ۔ ۲، آیت ۲۲۸

Quran 2:228

[63] القرآن: سورۃ الطلاق۔ ۵۶، آیت ۱

Quran 56:1

[64] القرآن: سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۴۱

Quran 2:241

[65] القرآن: سورۃ الطلاق۔ ۵۶، آیت ۴

Quran 56:4

[66] القرآن: سورۃ الطلاق۔ ۵۶، آیت ۴

Quran 56:4

[67] القرآن: سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۳۴

Quran 2:234

[68] القرآن: سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۴۰

Quran 2:240

[69] القرآن: سورۃ البقرۃ ۲، آیت ۲۳۵

Quran 2:235

[70] کتاب استثناء، باب ۲۵، آیت ۵ تا ۹، ص ۳۶۰

Kitab-e-Istasna 25:5-9

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.